بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص کسی غیر کی جانب سے اپنی طرف سے قربانی کرلے تو کیا یہ قربانی اس غیر کی طرف سے ادا ہو جائے گی؟ اس کی اجازت سے کرنے اور بغیر اجازت سے کرنے میں کچھ فرق ہوگا؟ ایسے ہی کیا اس میں اہلِ خانہ اور دیگر افراد کا فرق بھی ہوگا؟

اس بارے میں جزئیات بظاہر متعارض ہیں مثلاً اس جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر غیر کی طرف سے خود قربانی اس کی اجازت سے کرے یا بدوں اجازت کے، بہر صورت ناجائز ہے: رجل ضحی بشاة نفسه عن غیره لایجوز ذلک سواء کان بأمره أو بغیر أمره لأنه لا وجه لتصحیح الأضحیة عن الآمر بدون ملک الآمر والملک للآمر لایثبت إلا بالقبض ولم یوجد القبض لا من الآمر ولا من نائبه۔ (فی الخانیۃ علی الھندیۃ ۳ : ۳۵۲، فی التاتارخانیۃ ۱۷ : ۴۴۴، فی البحر الرائق ۸ : ۳۲۶، وفی الھندیۃ ۵: ۳۰۴، فی رد المحتار ۹ : ۵۲۴)۔

لیکن دوسری جزئیات سے آمر کی اجازت سے کرنے میں جواز معلوم ہوتا ہے: ولو ضحی غنی عن نفسه وعن ستة من اولاده لیس هذا فی ظاهر الروایة وقال الحسن بن زیاد رحمه الله فی کتاب الأضحیة له إن کان أولاده صغاراً جاز عنه وعنهم جمیعاً فی قول أبی حنیفه رحمه الله وأبی یوسف رحمه الله وإن کانوا کباراً إن فعل بأمرهم جاز عن الکل فی قول أبی حنیفة رحمه الله وأبی یوسف رحمه الله وإن فعل بغیر أمرهم أو بغیر أمر بعضهم لایجوز لاعنه ولاعنهم فی قولهم جمیعاً لأن نصیب من لم یأمر صار لحماً فکان الکل لحماً۔ وفی قول الحسن بن زیاد رحمه الله إذا ضحی ببدنة عن نفسه وعن خمسة من أولاده الصغار وعن أم ولده بأمرها أو بغیر أمرها لایجوز لاعنه ولاعنهم وقال ابو القاسم رحمه الله یجوز عن نفسه (فی الخانیۃ علی الھندیۃ ۳ : ۳۵۰، فی التاتارخانیۃ ۱۷ : ۴۴۴، فی البحر ۸ : ۳۲۶، فی الھندیہ ۵ : ۳۰۴، فی رد المحتار ۹ : ۵۲۴)

اوّل الذکر جزئی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جانور میں آمر کی ملکیت کا ثابت ہونا ضروری ہے، اگر وہ اجازت بھی دے تو بھی چونکہ اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی لہذا قربانی درست نہ ہوگی، چاہے جانور چھوٹا ہو یا بڑا، اسی سے استدلال کرتے ہوئے فتاوی محمودیہ (۲۶ : ۲۵۰) پر قربانی کو ناجائز کہا ہے، کیونکہ یہاں ملکیت آمر کے لئے یا تو بیع سے ثابت ہوگی یا پھر ہبہ سے، مذکورہ صورت میں بیع ہوئی نہیں اور ھبہ کے لئے قبضہ شرط ہے، اگر یہ کہا جائے کہ واھب موھوب لہ کی طرف سے خود ہی قبضہ کرلیتا ہے یا اقتضاء اس کا قبضہ مانا جائے جیسا کہ فتاوی محمودیہ (۲۶ : ۲۳۵) پر حضرت نے مانا ہے، تو پھر یہ جزئیات متعارض معلوم ہوتی ہیں: ان الواحد لایصلح أن یکون مسلماً ومتسلماً۔ فی الخانیۃ علی الھندیۃ (۲ : ۲۵۸)، یغتفر فی التوابع مالا یغتفر فی غیرها فلو وکل المشتری البائع فی قبض المبیع لایجوز۔۔۔ لأنه عامل لنفسه لوجوب تسلیمه علیه۔ فی شرح المجلۃ (۱ : ۱۳۱، المادۃ ۵۶)، بیع میں قبضہ شرط نہیں اس کے باوجود جب مشتری بائع کو قبضہ کرنے کا وکیل نہیں بنا سکتا تو ھبہ میں جہاں قبضہ شرط اور ھبہ کا ایک رکن ہے، وہاں واھب ہی موھوب لہ کی طرف سے کیسے قبضہ کرسکتا ہے؟ احسن الفتاوی ۷: ۵۴۱ میں ھبۃ المشاع میں قبضہ کو شرط نہیں قرار دیا، اگرچہ مشاع غیر مقسوم کا ھبہ صحیح ہے تاہم اس میں بھی محوز مقسوم کی طرح قبضہ شرط ہے کما فی الدر المختار ۸ : ۵۷۳: وتتم بالقبض ولو الموهوب شاغلاً لملک الواهب لا مشغولاً به فی محوز مقسوم ومشاع لایقسم لا فیما یقسم: ایسے ہی احسن الفتاوی میں مذکورہ حوالہ ہی سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے، کہ صرف شاۃ میں ملکیت لازم ہے، اور اوّل الذکر جزئیہ کو شاۃ کے ساتھ خاص کیا ہے، بڑے جانور میں قربانی باذن الآمر کو جائز کہا ہے، اگر ایسا ہے تو پھر صرف شاۃ کے ساتھ خصوصیت کی وجہ سمجھ نہیں آرہی ہے؟ حالانکہ شاۃ تو غیر مشاع محوز ہے، اس میں تو بطریق اولیٰ آمر کی اجازت سے قربانی جائز ہونی چاہئے تھی؟

00272

ثانی الذکر جزئیہ میں اولاد صغار کی طرف سے قربانی کو سب نے جائز کہا ہے، اس کی وجہ تو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اگر والد اولادِ صغار کو ھبہ کرے تو صرف والد کے ھبہ کرنے ہی سے ھبہ مکمل ہو جائے گا کما فی الخانیۃ علی الھندیۃ (۳ : ۲۷۰، ۲۷۹)، لیکن پھر کبار اولاد کی اجازت سے جو فقہاء نے جواز کا قول اختیار کیا ہے تو اس صورت میں ان کی ملکیت جانور میں کیسے ثابت ہو گی؟

ایسے ہی کیا موخر الذکر جزئیہ میں کبار اور ما بعد میں ام ولد سے مطلقاً غیر مراد لیا جاسکتا ہے؟

فتاوی تاتارخانیہ (۱۷ : ۴۴۴) امام ابو یوسفؒ کے قول کے کبار اولاد کی طرف سے بغیر ان کی اجازت کے بھی قربانی کو استحساناً جائز کہا ہے، اور اس استحسان کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ ہر سال چونکہ ان کیطرف سے والد کو اجازت ہوتی ہے تو یہاں بھی اجازت ہی سمجھی جائے گی اور پھر آگے فرمایا: فهذه المسئلة نص و تعليلها دليل على التضحية عن الغير بأمره يجوز۔ کیا اس استحسان سے مطلقاً غیر کی طرف سے بھی علت نکالی جاسکتی ہے؟ غیر کی ملکیت جانور میں کیسے ثابت ہو گی؟

باقی یہ بات رہ جاتی ہے کہ عبادات مالیہ میں فقہاء نے صرف اجازت کو نیابت کے لئے شرط قرار دیا ہے تو اضحیہ بھی عبادات مالیہ میں سے ہے لہٰذا یہاں بھی اجازت سے نیابت جائز ہونی چاہئے، اگر ایسا ہی ہے تو پھر شاۃ میں اجازت سے نیابت کیوں درست نہیں ہوتی؟

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عباداتِ مالیہ میں نائب اصل کی طرف سے اجازت کے ساتھ جب فقیر کو ادائیگی کرتا ہے تو فقیر پہلے اصل کی طرف سے قبضہ کرتا ہے اور پھر اپنی طرف سے کما فی رد المحتار (۳ : ۳۴۲) : (يجوز لو بأمره) أي: يجوز عن الزكاة على أنه تمليك منه و الدائن يقبضه بحكم النيابة عنه ثم يصير قابضا لنفسه۔ فتح ۔۔۔(وهو الوجه) لانه لا بد من كونه تمليكا وهو لا يقع عند امره بل عند اداء المامور و قبض النائب۔ اور قربانی میں نائب کی طرف سے قابض موجود نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر زکوۃ میں نائب پہلے ادائیگی کر دے اور پھر اجازت حاصل کرے تو یہ جائز نہیں کما فی رد المحتار (۳ : ۲۲۳) لما فی البحر: لو أدى زكاة غيره بغير امره فبلغه فأجاز لم يجز، کیونکہ اس صورت میں فقیر کا قبضہ براہِ راست ثابت ہو چکا ہوتا ہے، تو اصل کی طرف سے نیابۃً قبضہ نہیں کرتا، لہٰذا دوسری عبادات مالیہ میں صرف نیابت کے لئے اذن کے جائز ہونے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہاں اصل کی طرف سے قبضہ کرنے والا موجود ہوتا ہے بر خلاف قربانی کے۔

براہ کرام ان تمام صورتوں کا بالتفصیل جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی:

محمد ابراہیم

03319347574

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامداً و مصلیاً

سوال میں مذکورہ دونوں عبارتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

(۱) [و لو ضحى غني بدنة عن نفسه و عن ستة من أولاده ليس هذا في ظاهر الرواية * و قال الحسن بن زياد رحمه الله تعالى في كتاب الأضحية له إن كان أولاده صغارا جاز عنه وعنهم جميعا في قول أبي حنيفة و أبي يوسف رحمهما الله تعالى و إن كانوا كبارا إن فعل بأمرهم جاز عن الكل في قول أبي حنيفة و أبي يوسف رحمهما الله تعالى و إن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم لا يجوز لا عنه و لا عنهم في قولهم جميعا لأن نصيب من لم يأمر صار لحما فكان الكل لحما *و في قول الحسن بن زياد رحمه الله تعالى إذا ضحى بدنة عن نفسه و عن خمسة من أولاده الصغار و عن أم ولده بأمرها أو بغير أمرها لا يجوز لا عنه و لا عنهم و قال أبو القاسم رحمه الله تعالى يجوز عن نفسه *]

(۲)[رجل ضحى بشاة نفسه عن غيره لا يجوز ذلك سواء كان بأمره أو بغير أمره لأنه لا وجه لتصحيح الأضحية عن الآمر بدون ملك الآمر والملك للآمر لا يثبت إلا بالقبض ولم يوجد القبض لا من الآمر ولا من نائبه.]

عدم تعارض کی وجہ یہ ہے کہ پہلی (۱) عبارت کا تعلق اِشراک فی الاضحیۃ سے ہے، جس میں ایک بڑے جانور میں اولاد کو شریک کرکے اُن کی طرف سے قربانی کرنے کا ذکر ہے۔اِس صورت میں سب کی قربانی ادا ہو جائیگی؛ کیونکہ اِس صورت میں جانور میں اولاد کی ملکیت بصورتِ اذن نفسِ شرکت سے ہی ثابت ہو جائیگی،اولاد کا قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے؛ وجہ اِس کی یہ ہے کہ شرکت کی صورت میں کسی چیز پر ملکیت قائم ہونے کے لیے اُس چیز پر قبضہ کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ بلکہ نفسِ شرکت سے ہی شریک کی ملکیت اُس چیز میں آجاتی ہے۔

جبکہ دوسری (۲) عبارت میں جو مسئلہ ذکر ہے وہ اِشراک فی الاضحیۃ کا نہیں ہے بلکہ اِس میں ایک آدمی دوسرے کی طرف سے اپنی ذاتی بکری کی قربانی کررہا ہے۔اِس صورت میں جب تک مضحیٰ عنہ خود یا اپنے نائب کے ذریعہ بکری پر قبضہ نہ کرلے، مضحیٰ عنہ کی طرف سے بکری کی قربانی کرنا درست نہیں؛ کیونکہ

خود مالکِ شاۃ کو مضحیٰ عنہ کی طرف سے وکیل بالقبض تصور کرنے میں وہی محظور لازم آتا ہے جو آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے۔

مذکورہ عبارت نمبر(۲) اگرچہ اثباتِ ملکیت کے قواعد کے مطابق ہے، لیکن کچھ دلائل کی بناء پر ہمارے نزدیک اِس صورت میں بھی مضحیٰ عنہ کی قربانی درست ہو جائیگی، بشرطیکہ ذابح نے اپنے ذاتی جانور کی قربانی مضحیٰ عنہ کی اِجازت سے کی ہو۔ وہ دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)۔۔۔ فقہاء کرامؒ نے عباداتِ مالیہ میں صرف نیابت کو کافی قرار دیا ہے جیسا کہ آپ نے بھی سوال میں ذکر کیا ہے۔اِسی لیے اگر کوئی شخص دوسرے کی طرف سے اُس کی اجازت سے زکوۃ یا صدقۃ الفطر ادا کردے تو آمر کی زکوۃ اور صدقۃ الفطر ادا ہو جائیگا۔ اور اضحیۃ بھی ایک عبادتِ مالیہ ہے۔ لہٰذا زکوۃ اور صدقۃ الفطر کی طرح دوسرے کی طرف سے قربانی کرنے میں صرف اُس کی اِجازت کافی ہے۔

المبسوط للسرخسي – (12 / 8)

قال – رحمه الله تعالى – اعلم بأن القرب المالية نوعان نوع بطريق التمليك كالصدقات ونوع بطريق الإتلاف كالعتق ويجتمع في الأضحية معنيان فإنه تقرب بإراقة الدم وهو إتلاف، ثم بالتصدق باللحم وهو تمليك.

الهداية في شرح بداية المبتدي – (1 / 178)

والعبادات أنواع مالية محضة كالزكاة وبدنية محضة كالصلاة ومركبة منهما كالحج والنيابة تجري في النوع الأول في حالتي الاختيار والضرورة لحصول المقصود بفعل النائب.

البحر الرائق، دارالكتاب الاسلامي – (3 / 64)

(قوله: النيابة تجزئ في العبادات المالية عند العجز والقدرة، ولم تجز في البدنية بحال، وفي المركب منهما تجزئ عند العجز فقط). بيان لانقسام العبادة إلى ثلاثة أقسام مالية محضة كالزكاة وصدقة الفطر والإعتاق والإطعام والكسوة في الكفارات والعشر والنفقات سواء كانت عبادة محضة أو عبادة فهي معنى المؤنة أو مؤنة فيها معنى العبادة كما عرف في الأصول.

الدر المختار – (4 / 328)

(ومن اشترى عبدا) مثلا (فقال له آخر: أشركني فيه فقال فعلت إن قبل القبض لم يصح، وإن بعده صح ولزمه نصف الثمن.
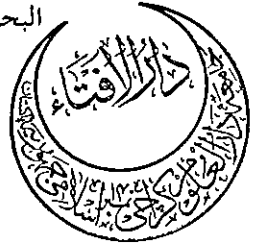
بدائع الصنائع، دارالكتب العلمية – (5 / 226)

فإن أطلق الشركة بأن قال أشركتك في هذا الكر فله نصف الكر كما لو قال: أشركتك في نصف الكر؛ لأن الشركة المطلقة تقتضي المساواة فتقتضي أن يكون نصيب الرجل مثل نصيبه.

ولو أشرك رجلا في نصفه فلم يقبضه حتى هلك نصفه فالرجل بالخيار إن شاء أخذ نصف ما بقي وهو ربع الكر وإن شاء ترك؛ لأنه كان له نصف شائع من ذلك فما هلك هلك على الشركة وما بقي بقي على الشركة وله الخيار إذا كان قبل القبض؛ لأن الصفقة قد تفرقت عليه، وكذلك لو باع رجل نصف الكر ثم هلك نصفه قبل القبض لما قلنا.

الهداية في شرح بداية المبتدي – (3 / 5)

قال: "الشركة ضربان: شركة أملاك، وشركة عقود. فشركة الأملاك: العين يرثها رجلان أو يشتريانها فلا يجوز لأحدهما أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بإذنه.

حاشية ابن عابدين (رد المحتار) – (2 / 269)

. قال في البحر: ولو تصدق عنه بأمره جاز ويرجع بما دفع عند أبي يوسف. وعند محمد لا يرجع إلا بشرط الرجوع اهـ تأمل

الدر المختار – (2 / 363)

(لا عن زوجته) وولده الكبير العاقل، ولو أدى عنهما بلا إذن أجزأ استحسانا للإذن عادة أي لو في عياله وإلا فلا قهستاني عن المحيط فليحفظ.

حاشية ابن عابدين (رد المحتار) – (2 / 363)

(قوله: ولو أدى عنهما) أي عن الزوجة والولد الكبير. وقال في البحر: وظاهر الظهيرية أنه لو أدى عمن في عياله بغير أمره جاز مطلقا بغير تقييد بالزوجة والولد. اهـ. (قوله: أجزأ استحسانا) وعليه الفتوى خانية.

الفتاوى الهندية (5/ 304)

ولو اشترى بقرة يريد أن يضحي بها، ثم أشرك فيها ستة يكره ويجزيهم؛ لأنه بمنزلة سبع شياه حكما، إلا أن يريد حين اشتراها أن يشركهم فيها فلا يكره، وإن فعل ذلك قبل أن يشتريها كان أحسن، وهذا إذا كان موسرا.....

(۲)۔۔۔فقہاء کرامؒ نے اِس بات کی صراحت کی ہے کہ ایک عاقل شخص کے کلام کو جہاں تک ممکن ہو صحیح قرار دینے کی کوشش کرنی چاہیے، بلکہ بعض کتابوں میں تو اِس کو واجب لکھا ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء کرامؒ نے

تصحیح العقد کیلیے بعض مسائل میں رکنِ بیع "قبول" اور شرطِ صحتِ ہبہ "قبضہ" کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ اُسکی مثال فقہاء کرامؒ نے یہ دی ہے کہ "ایک عورت اپنے رقیق (غلام) شوہر کے آقا سے یہ کہتی ہے [اعتقه عني بالف] اِس کو میری طرف سے ایک ہزار کے بدلہ میں آزاد کردو"۔ آقا یہ سنکر کہہ دیتا ہے [اعتقته] میں نے آزاد کیا تو شوہر آزاد ہو جائیگا، اور دونوں کا نکاح ختم ہو جائیگا۔ فقہاء کرامؒ نے تصحیح عقد کیلیے یہاں آقا اور عورت کے درمیان بیع کو مقتضٰی مان کر ملکیت کو آزادی سے مقدم تصور کیا ہے، کیونکہ عتق کیلیے ملکیت ضروری ہے، لیکن بیع کے رکن "قبول" کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ اور شوہر عورت کی ملکیت میں آنے سے آزاد ہو جائیگا للتنافی بین الملکین۔

لہذا قربانی کی صورت میں بھی جب کوئی دوسرے شخص کو یہ کہہ دے کہ آپ اپنی بکری کی قربانی میری طرف سے کردیں، تو اب قربانی کی ادائیگی کے لیے آمر کا جانور پر قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ سابقہ جزئیات کی طرح یہاں بھی "قبضہ" یا "قبول" ساقط الاعتبار ہے۔ جس طرح کسی شخص پر کفارہ ظہار ہو اور وہ دوسرے کو یہ کہہ دے کہ میری طرف سے کفارہ ظہار کا کھانا کھلادو، تو اگر وہ شخص کھانا کھلادے تو اس آمر کا کفارہ ادا ہو جائیگا۔ کھانے پر پہلے آمر کو قبضہ کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

الهداية في شرح بداية المبتدي – (1 / 212)

قال: " وإذا كانت الحرة تحت عبد فقالت لمولاة أعتقه عني بألف ففعل فسد النكاح " وقال زفر رحمه الله لا يفسد وأصله أنه يقع العتق عن الآمر عندنا حتى يكون الولاء له ولو نوى به الكفارة يخرج عن عهدتها وعنده يقع عن المأمور لأنه طلب أن يعتق المأمور عبده عنه وهذا محال لأنه لا عتق فيما لا يملكه ابن آدم فلم يصح الطلب فيقع العتق عن المأمور ولنا أنه أمكن تصحيحه بتقديم الملك بطريق الاقتضاء إذ الملك شرط لصحة العتق عنه فيصير قوله أعتق طلب التمليك منه بالألف ثم أمره بإعتاق عبد الآمر عنه وقوله أعتقت تمليكا منه ثم الإعتاق عنه وإذا ثبت الملك للآمر فسد النكاح للتنافي بين الملكين.

" ولو قالت أعتقه عني ولم تسم مالا لم يفسد النكاح والولاء للمعتق " وهذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله وقال أبو يوسف رحمه الله هذا والأول سواء لأنه يقدم التمليك بغير عوض تصحيحا لتصرفه ويسقط اعتبار القبض كما إذا كان عليه كفارة ظهار فأمر غيره أن يطعم عنه ولهما أن الهبة من شرطها القبض بالنص فلا يمكن إسقاطه ولا إثباته اقتضاء لأنه

فعل حسي بخلاف البيع لأنه تصرف شرعي وفي تلك المسئلة الفقير ينوب عن الأمر في القبض أما العبد فلا يقع في يده شيء لينوب عنه.

العناية شرح الهداية – (5 / 93)

وَقَوْلُهُ : (لِأَنَّهُ) يَعْنِي أَبَا يُوسُفَ (يُقَدِّمُ التَّمْلِيكَ بِغَيْرِ عِوَضٍ تَصْحِيحًا لِتَصَرُّفِهِ) أَيْ لِتَصَرُّفِ الْآمِرِ لِمَا أَنَّ تَصْحِيحَ كَلَامِ الْعَاقِلِ وَاجِبٌ مَهْمَا أَمْكَنَ وَقَدْ أَمْكَنَ هَاهُنَا بِإِسْقَاطِ اعْتِبَارِ الْقَبْضِ لِأَنَّهُ شَرْطٌ ، وَقَدْ أَمْكَنَ ذَلِكَ بِإِسْقَاطِ الْقَبُولِ الَّذِي هُوَ الرُّكْنُ فَلَأَنْ يُمْكِنَ بِإِسْقَاطِ الشَّرْطِ أَوْلَى ، فَصَارَ (كَمَا إذَا كَانَ عَلَيْهِ كَفَّارَةُ ظِهَارٍ فَأَمَرَ غَيْرَهُ أَنْ يُطْعِمَ عَنْهُ) فَفَعَلَ سَقَطَ عَنْهُ الْكَفَّارَةُ مِنْ غَيْرِ تَفْرِقَةٍ بَيْنَ مَا إذْ كَانَ الطَّلَبُ بِعِوَضٍ أَوْ بِغَيْرِهِ.

البحر الرائق، دارالكتاب الاسلامي – (3 / 221)

(قوله: حرة قالت لسيد زوجها: اعتقه عني بألف ففعل فسد النكاح) ، وقال زفر: لا يفسد وأصله أنه يقع العتق عن الآمر عندنا حتى يكون الولاء له ولو نوى به الكفارة يخرج عن العهدة وعنده يقع عن المأمور لأنه طلب أن يعتق المأمور عبده عنه وهذا محال لأنه لا عتق فيما لا يملك ابن آدم فلم يصح الطلب فيقع العتق عن المأمور ولنا أنه أمكن تصحيحه بتقديم الملك بطريق الاقتضاء إذ الملك شرط لصحة العتق عنه فيصير قوله: اعتق طلب التمليك منه بالألف ثم أمره بإعتاق عبد الآمر عنه وقوله: أعتقت تمليك منه ثم إعتاق عنه وإذا ثبت الملك للآمر فسد النكاح للتنافي بين الملكين.

فتح القدير للمحقق ابن الهمام الحنفي – (7 / 320)

كذا فى حاشية الطحطاوی ۔ (80/2)

المبسوط للسرخسي – (7 / 10)

(۳)۔۔۔فقہاء کرامؒ نے عبادات میں بہت وسعت اختیار کی ہے۔اور قدرتِ میسرہ اور قدرتِ ممکنہ کی تقسیم کر کے امت کیلیے بہت سہولت پیدا کی ہے، جس کی تفصیل ''الاشباہ والنظائر''میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (تفصیل کے لیے کتاب کا حوالہ نیچے درج ہے)۔نیز قربانی کے مسائل میں بھی فقہائے کرامؒ نے کئی مسائل میں استحسان سے کام لیا ہے۔''مثلاً دو آدمیوں نے غلطی سے ایک دوسرے کے قربانی کے جانور کو اپنی طرف سے ذبح کر دیا تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں کی قربانی درست نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ دوسرے کی قربانی کو بلا اجازت ذبح کرنا جائز نہیں ہے،اور ذبح کرنے والے پر اِس کا ضمان آنا چاہئے، لیکن استحساناً فقہاء کرامؒ نے دونوں کی قربانی کو درست قرار دیا ہے۔اور استحسان کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ مضحی نے جب جانور قربانی کی نیت

سے خرید لیا تو وہ جانور قربانی کے لیے متعین ہو گیا، لہذا دوسرے کا اِسے ذبح کرنا قربانی کے لیے مضر نہیں ہے"۔

اسی طرح امام محمدؒ سے منقول ہے کہ "اگر کسی شخص نے یوم النحر میں عمداً دوسرے کی قربانی کو اُس کی اجازت کے بغیر ذبح کردیا تو استحساناً جائز ہے۔ یعنی یہ قربانی مالکِ اضحیۃ کی طرف سے ادا ہو جائیگی"۔ اور "حاشیہ الطحطاوی علی الدر" میں "تبیین" کے حوالہ سے ایک مسئلہ ذکر کیا گیا ہے جسکے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "اگر کسی نے دوسرے کی بکری غصب کر کے اپنی طرف سے اُس کی قربانی کردی تو اگر مالک اُس بکری میں قربانی کی نیت کر کے اُسے مذبوحہ حالت میں قبول کرلے تو مالک کی قربانی ادا ہو جائیگی"۔ حالانکہ مالک نے ابتداءً قربانی کی اجازت نہیں دی تھی لیکن پھر بھی حاشیۃ الطحطاوی میں اِسے درست قرار دیا گیا ہے۔ لیکن علامہ شامیؒ نے یہ مسئلہ اُس صورت پر محمول کیا ہے جب کہ بکری قربانی کے لیے متعین ہو، لیکن اگر بکری قربانی کے لیے متعین نہ ہو تو اِس صورت میں ذبح ہونے کے بعد قربانی نہ ذابح کی طرف سے ہوگی نہ مغصوب منہ کی طرف سے"۔ (لیکن اگر آمر کی طرف سے اجازت موجود ہو تو قربانی کے جائز ہونے میں کوئی اشکال معلوم نہیں ہوتا)۔

الدر المختار – (6 / 329)

(ولو) (غلط اثنان وذبح كل شاة صاحبه) يعني عن نفسه على ما دل عليه قوله غلط أو لم يغلطا فيكون كل واحد وكيلا عن الآخر دلالة هداية قاله ابن الكمال، وظاهر كلام صدر الشريعة وغيره وقوعه عن صاحبه (صح) استحسانا (بلا غرم) ويتحالان ولو أكلا ولم يعرفا ثم عرفا هداية، وإن تشاحا ضمن كل لصاحبه قيمة لحمه وتصدق بها.

قلت: وفي أوائل القاعدة الأولى من الأشباه: لو شراها بنية الأضحية فذبحها غيره بلا إذنه، فإن أخذها مذبوحة ولم يضمنه أجزأته، وإن ضمنه لا تجزئه، وهذا إذا ذبحها عن نفسه. أما إذا ذبحها عن مالكها فلا ضمان عليه فراجعه.

(كما) يصح (لو ضحى بشاة الغصب) إن ضمنه قيمتها حية؛ كما إذا باعها وكذا لو أتلفها ضمن لصاحبها قيمتها هداية لظهور أنه ملكها بالضمان من وقت الغصب (لا الوديعة وإن ضمنها) لأن سبب ضمانه هنا بالذبح والملك يثبت بعد تمام السبب وهو الذبح فيقع في غير ملكه.

وفی الشامیة حاشیة ابن عابدین (رد المحتار) – (6 / 329)

وفي الإملاء قال محمد: لو ذبحها متعمدا عن صاحبه يوم النحر ولم يأمره جاز أيضا استحسانا لأنها هيئت للذبح.

الهداية في شرح بداية المبتدي – (4 / 361)

قال: "وإذا غلط رجلان فذبح كل واحد منهما أضحية الآخر أجزأ عنهما ولا ضمان عليهما" وهذا استحسان، وأصل هذا أن من ذبح أضحية غيره بغير إذنه لا يحل له ذلك وهو ضامن لقيمتها، ولا يجزئه عن الأضحية في القياس وهو قول زفر وفي الاستحسان يجوز ولا ضمان على الذابح، وهو قولنا. وجه القياس أنه ذبح شاة غيره بغير أمره فيضمن، كما إذا ذبح شاة اشتراها القصاب. وجه الاستحسان أنها تعينت للذبح لتعينها للأضحية حتى وجب عليه أن يضحي بها بعينها في أيام النحر. ويكره أن يبدل بها غيرها فصار المال مستعينا بكل من يكون أهلا للذبح آذنا له دلالة لأنها تفوت بمضي هذه الأيام، وعساه يعجز عن إقامتها بعوارض فصار كما إذا ذبح شاة شد القصاب رجلها....... "ومن غصب شاة فضحى بها ضمن قيمتها وجاز عن أضحيته" لأنه ملكها بسابق الغصب، بخلاف ما لو أودع شاة فضحى بها لأنه يضمنه بالذبح فلم يثبت الملك له إلا بعد الذبح، والله أعلم بالصواب.

و فی حاشیة الطحطاوی علی الدر(ج4ص167)

(قوله حية)حال من الضمير فى قيمتها لانه ملكها بالضمان من وقت الضصب بطريق الاستناد لكنه يأثم لان ابتداء فعله وقع محظوراً فيلزمه التوبة والاستغفار- شبلى. **واما اذا اخذها المالك مذبوحة و ضمنه النقصان لا تجوز عن اضحية عنهما فعلى كل واحد منهما ان يضحى باخرى. و فى التبيين انها تجزى المالك لانه نواها هنا فلا يضر ذبح غيره و هوالذى قدمناه عن صاحب المحيط.**

و لکن یخالفه ما ذکر العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی فی رد المحتار:

قال في البدائع: غصب شاة فضحى بها عن نفسه لا تجزئه لعدم الملك ولا عن صاحبها لعدم الإذن، ثم إن أخذها صاحبها مذبوحة وضمنه النقصان فكذلك لا تجوز عنهما وعلى كل أن يضحي بأخرى، وإن ضمنه قيمتها حية تجزئ عن الذابح لأنه ملكها بالضمان من وقت الغصب بطريق الاستناد فصار ذابحا شاة هي ملكه فتجزيه ولكنه يأثم لأن ابتداء فعله وقع محظورا فيلزمه التوبة والاستغفار اهـ. **أقول: ولا يخالف هذا ما مر عن**

الأشـــباه والزيلعي من أنه إن ضــمنه وقعت عن الذابح وإلا فعن المالك لأن ذاك فيما إذا أعدها صــاحبها للأضـحْية فيكون الذابح مأذونا دلالة كما مر تقريره وهنا في غيره، ولذا عبروا هنا بشـــاة الغصـــب ولم يعبروا بأضحية الغير فافهم. (رد المحتار) – (6 / 331)

الأشباه والنظائر – حنفي – (1 / 99)

ما وسع فيه أبو حنيفة و ما وسع فيه الأئمة.

(۴)۔۔۔ فقہی روایات سے اِس مسئلہ کے بارے میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ (یعنی ایک ہی شخص عقد کے دوطرف کی انجام دہی نہیں کر سکتا، یا بائع مشتری کی طرف سے مبیع پر قبضہ نہیں کر سکتا) یہ اُس وقت ہے جب کہ اِس کی وجہ سے کوئی شرعی محذور لازم آرہا ہو، یا مستقبل میں شرعی محذور کا سبب بن سکتا ہو۔ لیکن اگر کہیں شرعی محذور لازم نہیں آرہا، یا آئندہ وہ اس کا سبب بھی نہیں بن سکتا تو پھر اس میں کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی، اِس کی کچھ نظائر علامہ قاضی خانؒ نے اپنی کتاب میں ذکر کی ہیں۔ مثلاً اگر وصی اپنے مال کو یتیم کے ہاتھ فروخت کردے، یا اُس کا مال خود خرید لے بشرطیکہ یہ خرید و فروخت یتیم کیلیے اصلح ہو تو جائز ہے۔ اِس صورت میں یتیم کے قبول کرنے یا اُس کے قبضہ کو فقہاءؒ نے ضروری قرار نہیں دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

فتاوى قاضيخان – (3 / 15)

الواحد لا يتولى العقد من الجانبين إلا في مسائل*....

ومنها الوصي إذا باع ماله من اليتيم أو يشـتري مال اليتيم لنفسـه وكان ذلك خير لليتيم* ومنها الوصي إذا اشترى مال اليتيم للقاضي بأمر القاضي* ومنها العبد يشتري نفسه ممن مولاه بأمر المولى*.

(۵)۔۔۔ سوال میں مذکورہ عبارت [رجل ضحى بشاة نفسه عن غيره لا يجوز ذلك سواء كان بأمره أو بغير أمره لأنه لا وجه لتصحيح الأضحية عن الامر بدون ملك الامر والملك للامر لا يثبت إلا بالقبض ولم يوجد القبض لا من الامر ولا من نائبه.] ظاہر الروایہ نہیں ہے، بلکہ فتاوی تاتارخانیہ، لسان الحکام، بحر الرائق اور فتاوی ہندیہ میں یہ روایت "کتاب النوازل" فتاوی ابی اللیثؒ سے لی گئی ہے جس کی تصریح اِن کتابوں میں موجود ہے۔ اور ہماری معلومات کے مطابق مذکورہ عبارت عام متون، شامی، ہدایہ، بدائع الصنائع، شرح الوقایہ، مجمع الانہر میں موجود نہیں ہے۔ یہ مسئلہ حضراتِ ائمہ حنفیہ متقدمینؒ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور اُن کے اصحاب سے منقول نہیں ہے، بلکہ بعد میں آنے والے متاخرین ائمہؒ کی تفریعات میں سے ہے۔

اور فتاوی میں ذکر کردہ وہ مسائل جو ظاہر الروایۃ میں موجود نہ ہوں، اُن کے بارے میں علامہ محمد بدر الدین الشہاوی الحنفیؒ نے اپنی کتاب ''الطراز المذہب فی ترجیح الصحیح من المذہب'' میں فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ

''اگر فتاوی میں کوئی مسئلہ کتبِ مذہب سے لیکر ذکر کیا گیا ہو، لیکن وہ ہمارے اصحاب کی کتبِ مدونہ میں ذکر کردہ اُصولوں کے مخالف ہو تو اُس پر عمل نہیں کیا جائیگا۔ اور جو شخص یہ کہے کہ اگر فتاوی کا کوئی مسئلہ کتبِ مذہب کے مخالف ہو، لیکن اِس کی تصحیح کی گئی ہو تو اِس پر عمل کیا جائیگا، تو یہ بات ہمارے اصحاب کی کتابوں اور اُن کے بیان کردہ قواعد سے ناواقفی کی بناء پر ہے۔۔۔۔۔ علامہؒ نے آگے چل کر اِس کی تایید میں ''انفع المسائل'' کی ایک عبارت نقل کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ''اگر کوئی معاملہ اِس بات میں دائر ہو کہ فتاوی کے قول کے مطابق فتوی دیا جائے یا جس مسئلہ کی صراحت کتبِ مذہب میں کی گئی ہے اُس کے مطابق فتوی دیا جائے، تو اِس صورت میں فتاوی کے قول پر فتوی نہیں دیا جائیگا، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فتاوی استیناس کے لیے ہوتے ہیں وہ بھی اِس شرط کے ساتھ کہ کتبِ مذہب کے معارض نہ ہوں۔ لیکن فتاوی کے ساتھ کتبِ مذہب بھی موجود ہوں تو پھر فتاوی کی طرف التفات ہی نہیں کیا جائیگا، خاص کر جب کہ اُن میں مفتی بہ کی صراحت بھی نہ کی گئی ہو۔

علامہ شہاویؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ سب اِس بات کی دلیل ہے کہ عمل اور فتوی کتبِ مذہب پر دیا جائیگا نہ کہ فتاوی پر''۔

اسی طرح علامہ مفتی مظفر حسین مظاہریؒ ایسے مسائل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ
''اِن پر اُس وقت عمل کیا جائیگا جب وہ مذہب کے اصولی قواعد کے موافق ہوں اور ان کے صحیح ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو''۔

لہذا ذکر کردہ دلائل کی بناء پر ہمارا رجحان اِس طرف ہے کہ اپنا ملکیتی جانور دوسرے کی طرف سے قربان کرنے میں اُس کی صرف اِجازت کافی ہے۔ مضحیٰ عنہ کو پہلے قربانی کے جانور پر قبضہ کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن چونکہ یہ جواب قواعد سے دیا گیا ہے اِس لیے دوسرے علماء کرام سے بھی مسئلہ دریافت کرلیں۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

لسان الحكام – (1 / 389)

وفي النوازل لو ضحى بشاة نفسه على غيره بأمره أو بغير أمره لا يجوز بخلاف العتق عن غيره فإنه لو أعتق عبده عن كفارة رجل بأمره يجوز.

الفتاوى الهندية – (5 / 302)

ذكر في فتاوى أبي الليث – رحمه الله تعالى – إذا ضحى بشاة نفسه عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره لا تجوز؛ لأنه لا يمكن تجويز التضحية عن الغير إلا بإثبات الملك لذلك الغير في الشاة، ولن يثبت الملك له في الشاة إلا بالقبض، ولم يوجد قبض الآمر هاهنا لا بنفسه ولا بنائبه، كذا في الذخيرة.

الطراز المذهب فی ترجیح الصحیح من المذهب (ص٧١تا ٧٣)

إذا علم هذا فاعلم:أنه إذا ذكرت مسألة فی الفتاوی من کتب المذهب و کان فیها ما یخالف أصول أصحابنا فی کتبهم المدونة لا یعمل بها و من قال:إنه إذا وجدت مسالة فی کتب الفتاوی[تخالف]کتب المذهب و ذکر فیها التصحیح،یکون العمل علیها،فذاک جهل من قائله لعدم اطلاعه علی کتب أصحابنا و قواعدهم.....ومما یؤید ذلك ایضاً ما صبرح به فی ''أنفع المسائل''حیث قال:وإذا دار الامر بین أن یفتی بقول الفتاوی و بین أن یفتی بما هو نص المذهب،لا یفتی بقول الفتاوی بل نقول:الفتاوی إنما یستأنس بها إذا لم یوجد ما یعارضها من کتب المذهب ،أما مع وجود غیرها فلا یلتفت إلیها خصوصاً إذا لم یکن فیهانص علی الفتوی.

قلت:فهذا کله دلیل علی أن العمل والفتوی علی کتب المذهب لا علی قول الفتاوی.

تعلیقات الشیخ المفتی مظفر حسین المظاهری (شرح عقود رسم المفتی ص/٧٠ مکتبة دار الکتاب)

قوله''الثالثة الفتاوی و الواقعات'':إعلم أن مرتبة الکتب الستة فی الاصول کالصحیحین.....إلی أن قال:أما الفتاوی فهی أقل درجة من النوادر،فان ما فیها لیس جمیعه من أقوال أصحاب المذهب،ولیس له إسناد یرفعه إلی قائله،إنما جمعها أشخاص من المتفقهین لم یعرف حالهم فی الروایة و حسن الدرایة،فلا یعمل بها ولا یقبل ما فیها مما لم یوجد فی کتب

الأصول و النوادر إلا بشرط أن يوافق قواعد المذهب الأصولية،ويقوم على صحته الدليل.

شرح عقود رسم المفتى (۲۳تا۲۴)

الثالثة الفتاوى والواقعات و هى مسائل إستنبطها المجتهدون المتاخرون لما سئلوا عن ذلک ولم يجدوا فيها رواية عن أهل المذهب المتقدمين و هم أصحاب يوسف ومحمد وأصحاب أصحابهما و هلم جر،وهم كثيرون. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

نعمان علی خان

دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی

۲۱ /ذی القعدہ/۱۴۳۷ھ

۲۵ /اگست/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۲۱-۱۱-۳۷ھ

الجواب صحیح

احقر محمود اشرف غفر اللہ لہ

۲۱/۱۱/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح

۲۳/۱۱/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح

شاہ محمد تفضل علی عفی عنہ

۲۲/۱۱/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح

۲۴/۱۱/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح

عبد المنان
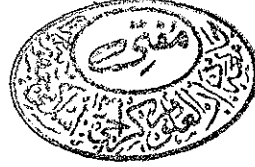
۱/۱۲/۱۴۳۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آئندہ آنے والی تحریر سابقہ فتوی میں میں ذکر کی گئی تھی، لیکن حضرت نائب صدر صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "سابقہ مسئلہ میں ان احادیث سے بڑے جانور میں دوسرے کی ملکیت ثابت ہونے پر تو استدلال کیا جاسکتا ہے، لیکن چھوٹے جانور میں ملکیت ثابت کرنے کے لیے اِن احادیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا؛ کیونکہ بڑے جانور میں ملکیت "اِشراک" سے ثابت ہو جائیگی۔ لیکن چھوٹے جانور میں ملکیت کا ثبوت پھر بھی محتاجِ دلیل رہے گا۔ اس لیے یہ تحریر حذف کرنے کا فرمادیا۔"

تاہم حضرت مفتی محمود اشرف صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ارشاد فرمایا کہ "اس تحریر کو فتوی کا حصہ تو نہ بنایا جائے، لیکن تبویب کے رجسٹر میں مذکورہ سوال وجواب کے ساتھ چسپاں کر دیا جائے، تاکہ یہ تحریر بھی مذکورہ فتوی دیکھنے والے کے ذہن میں رہے۔"

از: نعمان علی خان (سالِ سوم ۱۴۳۷ھ)

(الف)۔۔۔ صلح حدیبیہ میں آپ ﷺ اپنے ساتھ ذاتی ستر اونٹ لیکر گئے تھے، بعد میں آپ ﷺ نے ہر اونٹ میں سات صحابہؓ کو شریک کیا، اور حلال ہونے کے واسطے اُن کی طرف سے یہ اونٹ نحر کیے گئے۔ لیکن اِن روایات میں اِس بات کا ذکر نہیں ملتا کہ اِن صحابہؓ کو پہلے اِن اونٹوں کا بذریعہ بیع یا ہبہ مالک بنایا گیا تھا، پھر اُن کی طرف سے یہ اونٹ نحر کیے گئے۔ بلکہ صحیح ابنِ خزیمہ میں یہ واقعہ جس عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن اونٹوں میں مختلف قبائل کے لوگوں کو شریک کیا گیا تھا۔ اور یہ بات بہت دشوار ہے کہ اِن مختلف قبائل کے لوگوں کو پہلے بذریعہ بیع یا ہبہ مالک بنایا گیا ہو، پھر انہیں نحر کیا گیا ہو۔

شرح معاني الآثار - (4 / 174)

حَدَّثَنَا فَهْدٌ قَالَ: ثنا يُوسُفُ بْنُ بُهْلُولٍ , قَالَ: ثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ قَالَ: ثنا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ , عَنِ ابْنِ شِهَابٍ , عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ , عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ , وَمَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ , قَالَا: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ يُرِيدُ زِيَارَةَ الْبَيْتِ , وَسَاقَ مَعَهُ الْهَدْيَ , وَكَانَ الْهَدْيُ سَبْعِينَ بَدَنَةً , وَكَانَ النَّاسُ سَبْعَمِائَةِ رَجُلٍ , وَكَانَتْ كُلُّ بَدَنَةٍ عَنْ عَشَرَةٍ قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ: فَذَهَبَ قَوْمٌ إِلَى أَنَّ الْبَدَنَةَ تُجْزِئُ فِي الْهَدَايَا وَالضَّحَايَا عَنْ عَشَرَةٍ , وَاحْتَجُّوا فِي ذَلِكَ بِهَذَا الْحَدِيثِ . وَخَالَفَهُمْ فِي ذَلِكَ آخَرُونَ فَقَالُوا: لَا تُجْزِئُ الْبَدَنَةُ إِلَّا عَنْ سَبْعَةٍ , وَقَالُوا: قَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَحْرِ الْبُدْنِ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ , مَا يُخَالِفُ هَذَا . وَذَكَرُوا فِي ذَلِكَ

صحيح ابن خزيمة – (4 / 290)

قال أبو بكر في خبر ابن إسحاق : ساق معه الهدى سبعين بدنة و كان الناس سبعمائة رجل يريد سبعمائة رجل الذين نحر عنهم السبعين البدنة لا أن جميع أصحابه الذين كانوا معه بالحديبية كانوا سبعمائة رجل من الجنس الذي نقول إن إسم الناس قد يقع على بعض الناس كقوله تعالى { الذين قال لهم الناس إن الناس قد جمعوا لكم }.

عمدة القاري شرح صحيح البخاري – (15 / 215)

وفي رواية الدارقطني أن النبي ساق يوم الحديبية سبعين بدنة عن سبعمائة رجل وفي رواية كانوا في الحديبية خمس عشرة مائة وفي رواية أربع عشرة مائة.

شرح عمدة الأحكام لعبد الله بن جبرين – (41 / 4)

وأكثر ما كانوا يهدون البدن التي هي الإبل، يقول الله تعالى: { وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ } [الحج:36]، فهذا هو الأصل في الهدي، وقد كان النبي صلى الله عليه وسلم يهدي كثيراً، ففي غزوة الحديبية سنة ست لما توجه إلى مكة ومعه أصحابه ساق معه مائة بدنة أو سبعين بدنة، وللصحابة الذين معه غيرها، فوصلوا إلى الحديبية، ولكن لم يمكنهم المشركون من أن يصلوا إلى البيت فصدوهم عنه، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: (انحروها في مكانكم وتحللوا).

صحيح ابن خزيمة – (4 / 287)

باب إباحة اشتراك النفر في البدنة و البقرة الواحدة و إن كان من يشترك في البقرة الواحدة أو البدنة الواحدة من قبائل شتى ليسوا من أهل بيت واحد مع الدليل أن سبع بدنة و سبع بقرة تقوم مقام شاة في الهدى.

ثنا عبد الرحمن بن بشر بن الحكم ثنا يحيى عن ابن جريج و ثنا محمد بن معمر القيسي ثنا محمد ـــ ابن بكر أخبرنا ابن جريج أخبرني أبو الزبير أنه سمع جابرا يقول : اشتركنا مع رسول الله صلى الله عليه و سلم في الحج و العمرة كل سبعة في بدنة زاد عبد الرحمن في حديثه : و نحرنا يومئذ سبعين بدنة و قالا جميعا فقال له رجل : أرأيت البقرة اشترك فيها من يشترك في الجزور ؟ فقال : ما هي إلا من البدن و خص جابر الحديبية و قال عبد الرحمن : فنحرنا يومئذ

كل بدنة عن سبعة و قال ابن معمر قال : اشتركنا كل سبعة في بدنة و نحرنا سبعين بدنة يومئذ و الباقي لفظا واحدا.

(ب)۔۔۔"صحیح بخاری"اور"صحیح ابنِ خزیمہ"کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی طرف سے ایک گائے ذبح کی تھی۔اور بخاری میں یہ حدیث جس عنوان کے تحت آئی ہے اُس کا عنوان یہ ہے "آدمی کا اپنی بیویوں کی طرف سے اُن کے امر کے بغیر گائے ذبح کرنا"۔ اور"صحیح ابنِ خزیمہ"میں جس عنوان کے تحت یہ حدیث آئی ہے اُس کا عنوان یہ ہے "متمتعہ عورت (حجِ تمتع کرنے والی) کے امر اور علم کے بغیر اُس کی طرف سے ذبح اور نحر کی اجازت"۔اگرچہ اِس حدیث کا تعلق ہدی کے جانور سے ہے لیکن فقہاء کرامؒ نے فرمایا ہے کہ اضحیۃ اور ہدی کی شرائط میں اشتراک پایا جاتا ہے یعنی جن شرائط کا اضحیۃ میں لحاظ رکھنا ضروری ہے اُن شرائط کا ہدی میں بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے۔لیکن اِس حدیث میں اِس بات کا ذکر نہیں ہے کہ وہ گائے بذریعہ بیع یا ہبہ پہلے ازواجِ مطہراتؓ کی ملکیت میں لائی گئی تھی اُس کے بعد اُن کی اجازت سے ذبح کر دی گئی۔بلکہ اِس عنوان سے تو عدمِ امر کی صورت میں بھی جواز معلوم ہو رہا ہے۔

صحيح البخاري-نسخة طوق النجاة - (1 / 352)

باب ذبح الرجل البقر عن نسائه من غير أمرهن

حدثنا عبد الله بن يوسف أخبرنا مالك عن يحيى بن سعيد عن عمرة بنت عبد الرحمن قالت سمعت عائشة رضي الله عنها تقول خرجنا مع رسول الله لخمس بقين من ذي القعدة لا نرى إلا الحج فلما دنونا من مكة أمر رسول الله من لم يكن معه هدي إذا طاف وسعى بين الصفا والمروة أن يحل قالت: فدخل علينا يوم النحر بلحم بقر فقلت ما هذا قال (قالوا) نحر رسول الله عن أزواجه.

صحيح ابن خزيمة - (4 / 288)

باب اشتراك النساء المتمتعات في البقرة الواحدة .

ثنا محمد بن عبد الله بن ميمون بالإسكندرية ثنا الوليد عن الأوزاعي عن يحيى عن أبي سلمة عن أبي هريرة قال : ذبح رسول الله صلى الله عليه و سلم عمن اعتمر من نسائه في حجة الوداع بقرة بينهن .

قال الألباني : إسناده صحيح لغيره.

صحيح ابن خزيمة – (4 / 289)

باب إجازة الذبح و النحر عن المتمتعة بغير أمرها و علمها.

ثنا عبد الجبار بن العلاء ثنا سفيان قال سمعت يحيي بن سعيد يقول سمعت عمرة تقول : سمعت عائشة رضي الله عنها تقول : **فلما كنا بمنى أتيت بلحم بقرة فقلت : ما هذا ؟ قالوا : هذا لحم بقر ضحى رسول الله صلى الله عليه و سلم عن نساءه بالبقر.**

الهداية في شرح بداية المبتدي – (1 / 181)

" ولا يجوز في الهدايا إلا ما جاز في الضحايا " لأنه قربة تعلقت بإراقة الدم كالأضحية فيتخصصان بمحل واحد "......